استاد و شاگرد

مائل خیرآبادی

اشاعت اوّل	....	1985
اشاعت نَو	....	**FEB-2014**
قیمت	....	Rs. **18/-**

استاد کے نام

پہلا خط

نیا گنج یکم اگست ۱۹۶۰ء

چچا میاں .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں اچھا بھلا مدرسہ اسلامیہ میں آپ سے پڑھ رہا تھا۔ نہ جانے ابّا جان نے آپ کے یہاں سے مجھے کیوں اٹھا لیا اور اس اسکول میں پڑھنے کے لئے بھیج دیا۔ یہاں میرا نام درجہ آٹھ میں لکھا گیا۔ یہاں آئے ہوئے مجھے آج دس دن ہو گئے۔ ابّا جان نے وہاں سے اچھا کھانے پینے اور رہنے کا سامان کر دیا ہے۔ میرا یہ اپنا اسکول بھی بہت بڑا اور بہت بڑی جگہ میں بنا ہوا ہے۔ اس کے آگے کھیل کا ایک بڑا لمبا چوڑا میدان ہے۔ بہت سے لڑکے اس اسکول میں پڑھتے ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم ملا کر انیس ۱۹ استاد پڑھاتے ہیں۔

ابّا جان نے میرے لئے چار پانچ روپئے کا اچھا سا بستہ خرید دیا۔ تین روپئے کا ایک فاؤنٹن پین بھی لے دیا، کتابیں بھی بڑی خوب صورت ملیں۔ درجے میں ٹاٹ کے بدلے کرسیوں پر بیٹھنے کو ملا، اور لکھنے میں آسانی کے لئے سامنے ڈیسک بھی لگی پائی۔ لیکن آپ نے جو کچھ پڑھایا اور سکھایا تھا یہاں اس کا الٹا کرنا پڑتا ہے۔ آپ کو جب میں سلام کرتا تھا تو آپ جواب دے کر دعائیں دیتے۔ میرے ماں باپ اور بھائی بہنوں کی خیریت پوچھتے مجھے اس وقت بڑی خوشی ہوتی تھی۔

لیکن یہاں یہ ہے کہ ماسٹر صاحب درجے میں آتے ہیں تو سب لڑکے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پیچھے بیٹھنے والے نہیں اٹھتے۔ دو تین لڑکے ماسٹر صاحب کے آنے پر چونچ دکھانے لگتے ہیں۔ ماسٹر صاحب بھی ہماری پروا نہیں کرتے، آکر کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں جو کچھ پڑھانا ہوا، جیسا تیسا پڑھا دیا۔ گھنٹہ بجا سوال کرا رہے ہوں یا کوئی سبق پڑھا رہے ہوں، ادھورا چھوڑ دیا اور چلے گئے۔ جس لڑکے کا جی چاہے سنے جس کا جی چاہے مزا کرے۔ استاد کو کچھ پروا نہیں، میں

حیران ہوں کہ یہاں پڑھائی کیسے ہوگی۔ آپ میرے لئے دعا ضرور کریں۔ چچی جان اور سلیم میاں کو سلام کہہ دیجئے۔

والسلام

آپ کا شاگرد

''رشاد''

دوسرا خط

نیا گنج۔ ۲۰/اگست ۱۹۶۰ء

چچا میاں .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط ملا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے مجھے نصیحت کی ہے کہ میں ان تمام باتوں کو دھیان میں رکھوں جو میں نے مدرسہ اسلامیہ میں پڑھی اور آپ سے سیکھی ہیں۔ اور جہاں تک ہو سکے ان پر عمل بھی کروں۔ لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں مدرسہ اسلامیہ والی باتوں کو نہ یاد رکھ سکوں گا اور نہ کر سکوں گا۔

چچا میاں! یہاں تو آپ کے یہاں سے بالکل الٹی پڑھائی ہو رہی ہے۔ دو باتیں لکھ رہا ہوں اُن سے آپ اندازہ لگالیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں روز پرارتھنا ہوتی ہے۔ یہ پرارتھنا اسی طرح ہوتی ہے جیسے آپ بچوں سے حمد پڑھواتے ہیں۔ لیکن ''پرارتھنا'' اور ''حمد'' میں بڑا فرق ہے۔ یہاں ہم کو بتایا گیا ہے۔ پہلے پہل جب میں اس طرح کھڑا ہوا تو مجھے وہ دن یاد آ گیا جب آپ کے مدرسہ اسلامیہ میں ''حمد'' پڑھتے وقت بتایا گیا تھا کہ ہاتھ جوڑنا، سجدہ کرنا اور سر جھکانا صرف اللہ کے آگے ٹھیک ہے۔ مسلمان کو کسی اور کے آگے نہ سر جھکانا چاہیئے اور نہ ہاتھ جوڑنا چاہیئے۔ میں نے سوچا شاید یہ بھی خدا کی تعریف ہو۔ پہلے تو عیب نہ سمجھا لیکن جب پرارتھنا والے گیت کے معنیٰ معلوم ہوئے تو اس میں خدا کی تعریف کے بدلے اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے اس طرح گن گائے گئے ہیں جیسے وہ بھی خدائی میں شریک ہیں۔

آپ نے مجھے شرک کے جو معنیٰ بتائے تھے وہ سب اس گیت میں موجود ہیں۔ میں ماسٹر صاحب کے ڈر سے لڑکوں کے ساتھ جا کر

کھڑا تو ہو جاتا ہوں لیکن گیت سے مجھے بڑی اُلجھن ہوتی ہے۔

دوسری بات اس سے بھی زیادہ اُلجھن کی ہے ایک دن کتاب پڑھائی جارہی تھی۔ کتاب کا ایک ''بول'' ہے۔

ہے محمدؐ، بدّھ، عیسیٰ ایش کے اوتار ہو تم

اس کا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ اے محمدؐ جی، اے بدّھ جی اور اے عیسیٰ بھی تم سب ایشور کے اوتار ہو۔ اوتار کے معنیٰ یہ بتائے کہ ایشور انسانوں اور جانوروں کے روپ میں پیدا ہوتا ہے۔

معنیٰ سمجھا تو میں نے دل میں کہا کہ یہ بات غلط ہے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے آخری رسول ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہوئے۔ سارے رسول انسان تھے۔ وہ سب اللہ کے بندے تھے، خدا کے روپ میں تو دنیا میں نہیں آئے۔ نہ بدھ جی ہی اس طرح آئے۔

چچا میاں! یہ دو باتیں تو میں نے مثال کے طور پر لکھ دیں۔ یہاں تو بات بات میں اسی طرح کی شرک کی باتیں سامنے آتی ہیں۔ میں لکھوں کہاں تک، بس آپ میرے لئے دعا کیجئے۔ میں والد

صاحب کو بھی یہ باتیں لکھ رہا ہوں۔ دیکھئے وہ کیا جواب دیتے ہیں۔
میرا سلام چچی جان اور سلیم میاں سے کہہ دیجئے گا۔

والسلام
آپ کا شاگرد
''رشاد''

تیسرا خط

نیا گنج۔ یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء
چچا میاں .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ نے میرے خط کا جواب دیا اس بات سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ میں نے آپ کا خط کئی بار پڑھا۔ آپ نے مجھ سے میری نمازوں کا حال پوچھا ہے۔ میں کیا عرض کروں یہاں مسجد میں جا کر نماز پڑھنا تو الگ رہا، اکیلے نماز پڑھنا بھی بڑا مشکل ہے۔ اُس

اسکول میں ساڑھے بارہ بجے انٹرول ہوتا ہے۔ انٹرول میں سب لڑکے پھل پھلاری اور دال موٹھ اور ایسی ہی دوسری چیزیں کھانے میں لگ جاتے ہیں۔ شروع شروع میں جب میں اسکول میں داخل ہوا تو انٹرول ہوتے ہی مسجد کی طرف بھاگتا تھا۔ مسجد میں نماز جماعت سے ایک بجے ہوتی ہے۔ جماعت سے نماز پڑھ کر آتا تو مجھے ہر روز پندرہ بیس منٹ کی دیر ہو جاتی۔ دو چار روز تو ماسٹر صاحب نے کچھ نہ کہا، پھر ٹوکنے لگے۔ میں نے بتایا کہ نماز پڑھنے میں دیر ہو جاتی ہے۔

میرے اس اسکول میں انٹرول کے بعد پہلا گھنٹہ ہندی پڑھنے کا ہے اور اسی گھنٹے میں جو ماسٹر صاحب پڑھاتے ہیں۔ وہ مسلمان ہیں۔ رستم علی نام ہے۔ ماسٹر رستم علی صاحب کے سامنے جب میں نے نماز کا نام لیا تو بولے:

''تم تو ابھی بچّہ ہو، تمہاری عمر ۱۴ رسال کی ہوگی تم پر نماز فرض ہی نہیں۔''

''میں نے جواب دیا'' فرض تو نہیں لیکن رسالہ دینیات میں لکھا ہے کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سات برس کے بچوں کو نماز سکھانے کے لئے فرمایا ہے، اور دس برس کے بچّوں کے بارے میں یوں حکم دیا ہے کہ ''نماز نہ پڑھیں تو انھیں پیٹو۔''

میرا یہ جواب سنا تو ماسٹر رستم علی صاحب نے ایک نظر بھر کے مجھے دیکھا پھر بولے ''اچھا اگر ایسا ہی شوق ہے تو یہیں کسی کونے میں پڑھ لیا کرو، پڑھائی کا نقصان نہ ہونا چاہیے۔''

میں نے ماسٹر صاحب کو بتایا کہ ''میری پڑھائی کا نقصان نہیں ہوتا۔ میں شوکت سے پوچھ کر معنیٰ لکھ لیتا ہوں۔''

''ہوں'' کرتے ہوئے ماسٹر صاحب نے تیوری چڑھا کر مجھے دیکھا۔ دوسرے دن اسی گھنٹے میں لڑکوں سے کہا ''کل کا کام دکھاؤ۔'' لڑکوں نے اپنی اپنی کاپیاں دکھائیں۔ ماسٹر صاحب نے میری کاپی دیکھتے ہی پھینک دی اور بولے ''یہی تم نے کل کا کام کیا ہے اوتار کے معنیٰ کیا لکھے ہیں تم نے؟'' اور پھر گرج کر سوال کیا کہ ''اوتار کا ارتھ کیا ہے؟''

میں ماسٹر صاحب کے تابڑتوڑ سوالوں اور گرج سے سہم گیا لیکن جی کڑا کر کے اوتار کا ارتھ بتایا کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق ایشور کا کسی آدمی یا جانور کے روپ میں پیدا ہونا یا اچانک آجانا۔''

میں نے بالکل ٹھیک جواب دیا تھا۔ ایک منٹ رک کر بولے ''ایک شبد میں اوتار کے معنیٰ میں نے کیا بتائے تھے؟'' میں نے کہا ''اُترنا'' اب رستم علی صاحب چیخ اُٹھے ''اترنا بتایا تھا میں نے یا اوتار کے معنیٰ ''رسول بتائے تھے۔''

میں نے چاہا کہ پھر کچھ جواب دوں کہ سڑاک سے بید میری پیٹھ پر پڑا اور میں تلملا گیا۔ چچا جان! میں آج تک نہیں پیٹا گیا تھا۔ ماسٹر رستم علی صاحب نے جو رستمی مجھ پر دکھائی تو میں آپ سے کیا بتاؤں میرا کیا حال ہوا۔ میرا پیشاب خطا ہو گیا۔ پیشاب دیکھ کر میرے آس پاس کے لڑکے اُچک کر کھسکے۔ رستم علی صاحب نے درجے سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔

میں روتا ہوا نکلا۔ بورڈنگ میں گیا۔ پاجامہ اتارا بدن پاک کیا، پاجامہ دھوکر پھیلا دیا۔ پھر چاہا کہ اسکول جاؤں لیکن پنڈلیوں

میں کچھ درد معلوم ہوا تو لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی مجھے بخار آ گیا۔ بخار سے تیسرے دن چھٹکارا ملا تو ابّا جان کو سارا حال لکھ بھیجا۔ انھوں نے جواب دیا کہ "ماسٹر صاحب جیسا حکم دیں ویسا ہی کرو۔"

ابّا جان کا یہ خط ملا تو اب جب انٹرول ہوتا، میں ظہر کی نماز نیم کے نیچے اپنا تولیہ بچھا کر پڑھ لیتا۔ لیکن اکیلے نماز پڑھ کر مجھے ایسا لگا جیسے نماز پڑھی ہی نہ ہو۔ مجھے کچھ مزہ نہیں آیا نہ دل لگا۔ اور چچا میاں دل کیا لگے۔ اسکول کے لونڈوں کے غل غپاڑے میں نماز نماز کی طرح پڑھی ہی کب جا سکتی ہے۔ خیر ابھی تک تو نماز نہیں چھوٹی ہے۔ آگے اللہ مالک ہے۔ آپ میرے لئے دعا ضرور کرتے رہیں۔ چچی جان سے میرا اسلام کہئے۔ اور ان سے زبانی کہئے کہ میرا حال میری امّی جان سے کہہ دیں۔

والسلام

آپ کا پرانا شاگرد

"رشاد"

چوتھا خط

نیا گنج۔ ۲۵/ اکتوبر ۱۹۶۰ء

چچا میاں .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط ملا۔ آپ کے خط کے تیسرے دن امّی جان کا خط بھی میرے نام آیا۔ امّی جان کا خط پڑھ کر میں سمجھ گیا کہ آپ نے چچی جان کی زبانی میرا حال کہلوایا۔ لیکن امّی جان نے جو بات لکھی ہے، اس سے مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ امّی جان نے لکھا ہے کہ کسی اسکول میں پڑھو اور کچھ بھی پڑھو اپنا ایمان مضبوط رکھو......۔'' یہ لکھنے کے بعد امّی جان نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابھی جو پڑھایا جاتا ہے پڑھ لو، بڑے ہو کر جو چاہنا کرنا۔ نماز روزے کے لئے عمر پڑی ہے۔

آپ نے اپنے خط میں جو کچھ لکھا ہے وہ میرے دل کو لگتا ہے۔ آپ نے ایک نئی کہاوت لکھی ہے میں نے یہ کہاوت پہلے پہل آپ سے سنی کہ جیسا سانچہ ویسا ڈھانچہ۔ لیکن اس کہاوت کے معنیٰ بالکل سمجھ گیا۔ آپ کا مطلب شاید یہ ہے کہ جو بچّہ جیسی تعلیم حاصل کرے گا

ویسا ہی بنے گا۔

چچا میاں آپ کی اس کہاوت کے معنیٰ جتنا ہی میں سوچتا ہوں وہ سب اپنے اندر دیکھ رہا ہوں کہ وہ سب ہونے لگے ہیں۔ کس طرح ہونے لگے؟ ذرا سنئے:

میں نے اپنے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ اب انٹرول میں نیم کے نیچے ہی ظہر کی نماز پڑھ لیتا ہوں۔ لیکن لونڈے بہت پریشان کرتے ہیں۔ کبھی تو نقلیں کرتے ہیں۔ کبھی دور سے چونچ دکھاتے ہیں۔ کبھی میرے سجدے کی جگہ کوئی اینٹ رکھ دیتے ہیں۔ کبھی پہلے سے آکر اسی جگہ کھیلنے لگتے ہیں۔ کبھی کسی لڑکے کو مجھ پر ڈھکیل دیتے ہیں، کبھی جانماز الٹ دیتے ہیں۔ گدگدا دیتے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اسکول کے مسلمان لڑکے بھی ان شرارتوں میں حصّہ لیتے ہیں۔

اس طرح مجھے پریشان کیا گیا تو میں نے بورڈنگ جاکر نماز پڑھنا شروع کردی۔ لیکن اسی ہفتے سے ایک رُکاوٹ کی بات ایسی آن پڑی کہ اب انٹرول میں بھی ظہر کی نماز نہیں پڑھ سکتا۔

بات یہ ہوئی کہ ۱۵/اکتوبر سے انٹرول میں ڈرل ہونے لگی

ہے۔ ڈرل ماسٹر صاحب ایک ہٹّے کٹّے کڑیل جوان اور نئے نئے پاس ہوکر آئے ہیں۔ انٹرول ہونے سے پہلے میدان (فیلڈ) میں جا پہنچتے ہیں اور گھنٹی ہوتے ہی سیٹی بجانے لگتے ہیں۔ نادری حکم ہے کہ تیسری سیٹی پر لائن بن جانا چاہیئے۔ اب میں بہت پریشان ہوا۔ ڈرتے ڈرتے ماسٹر صاحب سے نماز کی اجازت مانگی تو جواب ملا کہ ''پہلے یہ نماز پڑھ لو پھر اپنی نماز پڑھنا۔''

ڈرل ماسٹر صاحب کے یہ کہنے سے میرے دل میں دھکّا سا لگا۔ انھوں نے ڈرل کو نماز کے برابر کہہ دیا۔ میں نے سوچا، چل کر ہیڈ ماسٹر صاحب سے اجازت لے لینی چاہیئے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے کمرے میں گیا ان سے کہا تو انھوں نے ماسٹر رستم علی صاحب کو بلایا۔ اور ان سے پوچھا۔ ''اسلام میں نماز قضا بھی تو پڑھی جاتی ہے؟''

رستم علی صاحب نے جواب دیا ''جی ہاں!''

اب ہیڈ ماسٹر صاحب نے مجھ سے کہا ''جاؤ'' ڈرل کرلو، قضا پڑھ لینا۔''

میں اپنا سا منھ لے کر واپس ہوا۔ جا کر ڈرل کرنے لگا۔ اب روز ظہر کی نماز قضا ہوتی ہے اور میں عصر کے وقت قضا ہی پڑھتا ہوں۔ مگر سوچتا ہوں کہ کب تک ایسا ہوگا۔ روز روز کے جھنجھٹوں سے دل اب کچھ اس طرح کہنے لگا ہے کہ چھوڑ و نماز روزہ۔ جیسا امّی جان نے لکھا ہے ویسا ہی کرو۔ بڑے ہوکر دل بھر کے پڑھ لینا۔ لیکن دل کی اس بات کو میں شیطانی بات سمجھتا ہوں اور توبہ توبہ کرنے لگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے۔

چچا میاں! میں بہت پریشان ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا، کیا کروں۔ خیر جو کچھ ہوگا وہ تو ہوگا ہی۔ آپ میرے لئے دعا ضرور کرتے رہیں۔ چچی جان اور سلیم میاں کو سلام کہیے۔

والسلام

آپ کا شاگرد

''رشاد''

پانچواں خط

نیا گنج۔ ۲۹؍نومبر ۱۹۶۰ء

چچا میاں .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خط لکھے ہوئے ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا لیکن آپ نے میرے خط کا جواب نہیں دیا۔

چچا میاں! آپ میرے خط کا جواب ضرور دیا کریں آپ کا خط آتا ہے تو مجھے آپ کی پڑھائی ہوئی دین کی باتیں اور مدرسہ اسلامیہ کی پڑھائی یاد آجاتی ہے اور اس سے میرا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

اس ہفتے میرے اسکول میں انسپکٹر صاحب کے معائنے کی بڑی دھوم رہی۔ معائنہ تو ۲۵؍نومبر کو ہونے والا تھا لیکن نومبر کے شروع ہوتے ہی اس کی دھوم مچ گئی۔ ۱۰؍نومبر سے پڑھائی بالکل ختم کر دی گئی اور ۱۱؍نومبر سے اسکول سجایا جانے لگا۔ بکسوں میں بند آرٹ کرافٹ کا سامان، کتابی کا کام، مٹی کے برتن، جلد سازی کے

نمونے، چمڑے کے بٹوے، نقشے، تصویریں جتنا بھی پرانا سامان تھا، نکالا گیا۔ کچھ کی مرمّت شروع ہوئی کچھ پھر سے نئے کئے گئے۔ پھر بھی کچھ سامان گھٹ رہا تو بازار سے خریدا گیا۔ بازار سے منگائے ہوئے کام پر بھی کسی نہ کسی طالب علم کا نام لکھا گیا۔ نام لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیز اسی طالب علم کی بنائی ہوئی ہے۔

باغبانی کی کیاریوں میں تو کمال ہی کر دیا۔ یہ اب تک بالکل صاف چٹیل پڑی تھیں۔ انسپکٹر صاحب کے معائنے کی خبر معلوم ہوئی تو آدھے چوتھائی لڑکوں کو کیاریوں میں ڈھکیلا گیا۔ دو مالی بھی پچیس پچیس روپئے پر بُلائے گئے۔ پھولوں کے پودے لا لا کر لگائے جانے لگے۔ توبہ توبہ! فرضی کھیت تک لگا دیئے گئے۔ فرضی کھیت آپ سمجھے۔ ہوا یوں کہ کچھ لڑکوں سے کہا گیا ''گیہوں کے پودے اکھاڑ لائیں۔'' لڑکے حکم پا کر کھیتوں کی طرف بھاگے۔ جا جا کر پودے اکھاڑنے لگے۔ کسی ایک کسان نے اپنے کھیت میں پودے اکھاڑتے دیکھ لیا تو چلاّ کر دوڑا۔ لڑکے بھاگے لیکن ایک کو اس نے پکڑ لیا۔ لڑکے نے شور مچا دیا تو سارے لڑکے پلٹ پڑے اور کسان

کو خوب پیٹا اور پھر اس کے کھیت کو بالکل تہس نہس کر دیا۔ آدھے سے زیادہ کھیت سے پودے اکھاڑ لئے اور لا کر اپنی باغبانی کی کیاریوں میں لگا دیئے۔ ایک اور کمال سنئے:

ایک آم کا پودا، خدا جھوٹ نہ بُلوائے، میرے قد کے برابر تھا۔ نہ جانے کہاں سے لایا گیا۔ ایک بڑا سا گڈھا کھود کر اس میں رکھا اور مٹی بھر کر اسے کھڑا کر دیا گیا۔ دیکھا آپ نے۔ انسپکٹر صاحب کو کیسا کھلا دھوکا دینے کی ترکیب کی گئی۔

سال بھر تو سارے ماسٹر صاحبان مزا کرتے رہے۔ اب معائنے کا وقت آیا تو دن رات ایک کر دیا۔ اور پھر یہ کہ سب دکھاوٹ ہی دکھاوٹ۔ سارے کا سارا فرضی سامان۔ میرا دل تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن ان سارے کاموں میں شریک ضرور رہا۔ کسی دن کیاریاں بنائیں۔ کسی دن دیواروں پر نقشے اور تصویریں وغیرہ لگائیں۔ جب یہ سب لگا دیا گیا تو اب ایک ڈرامے کی مشق ہونے لگی۔

انسپکٹر صاحب کا معائنہ ہوا۔ انھوں نے ڈرامہ دیکھا۔ بہت خوش ہوئے۔ سنا ہے کہ بڑا عمدہ معائنہ لکھا ہے۔ ایک دن کی چھٹی

بھی دی۔ لیکن میں سوچتا ہوں کہ انسپکٹر صاحب کو کھلا دھوکا دیا گیا اور انھوں نے جو کچھ دیکھا، سنا سب جھوٹ اور دکھاوٹ۔

چچا میاں! اس معائنے کا حال میں نے آپ کو اس لئے لکھا کہ میں اب ایسے اسکول میں تعلیم حاصل کر رہا ہوں جہاں سچائی نام کو نہیں اور اس کا دین سے کوئی لگاؤ نہیں۔ ان دنوں میں ہر روز میری کئی کئی نمازیں چھوٹیں۔ اور دل کچھ ایسا کٹّر ہوتا جا رہا ہے کہ شاید ہی کسی نماز کی قضا ادا کی ہو۔ دیکھئے تو میں کیا سے کیا ہوتا جا رہا ہوں۔ میں دعا بھی کرتا ہوں اور توبہ بھی اور دین پر چلنے کی کوشش بھی۔ مگر یہاں کچھ ایسا پھنسا ہوں کہ میری دعا میری توبہ، میری کوشش سب بے کار ہی جاتی ہے۔ اور کرتا وہ سب ہوں، جو سارے بچّے کرتے ہیں اور ماسٹر صاحبان کرواتے ہیں۔ اللہ ہی میرے دین و ایمان کو بچائے۔ دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے۔ میرا اسلام چچی جان اور سلیم میاں سے کہہ دیجئے گا۔

والسلام

آپ کا شاگرد

''رشاد''

چھٹا خط

نیا گنج۔ ۵ر جنوری ۱۹۶۱ء

چچا میاں .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بڑے دن کی چھٹیاں منا کر میں خیریت سے آ گیا ان چھٹیوں میں گھر رہنا آپ سے ملنا اور اطمینان سے نمازیں پڑھنا اور سلیم میاں کے ساتھ کھیلنا یہ ساری باتیں نعمت معلوم ہوئیں۔ میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ پھر اس اسکول میں پڑھنے جاؤں، جہاں میرا جی نہیں لگتا۔ آپ کو یاد ہوگا، آپ کے سامنے وہ سب باتیں میں نے ابّا جان سے کہی تھیں جو مجھ پر یہاں بیتیں۔ لیکن آپ کو کتنا رنج اور مجھے کیسا دکھ ہوا۔ جب ابّا جان نے یہی حکم سنایا کہ اسی اسکول میں جا کر پڑھو۔

چھٹیوں میں جب میں آپ سے ملا تھا تو آپ نے مجھ سے بہت سی باتیں پوچھی تھیں۔ آپ کے پوچھنے پر میں شرم کے مارے

کچھ باتیں آپ کے سامنے بیان نہ کر سکا۔ لیکن سوچتا ہوں کہ وہ سب آپ کو بھیجوں تاکہ وہ سب باتیں آپ ابّا جان کے کان میں ڈالتے رہیں۔

چچا میاں! ہمارے اسکول میں ''گپ بازی'' کا ایک مقابلہ ہوا تھا۔ کئی لڑکوں نے حصّہ لیا۔ ایک نے گپ ہانکی۔ ''میری دادی اتنی لمبی تھیں کہ کھڑی ہو کر اڑتی چڑیا پکڑ لیتی تھیں۔'' دوسرے گپّی نے اس سے بڑھ کر گپ ماری۔ بولا ''میری دادی تو بیٹھے بیٹھے ہاتھ لپکا دیتی تھیں اور پھر چاہے جتنی اونچائی پر چڑیا ہو، پکڑ لیتی تھیں۔

تیسرے گپّی نے کہا ''اور بھئی! میں کیا بتاؤں میری دادی کتنی لمبی تھیں، میں بس اتنا جانتا ہوں کہ انھیں جب کوئی بوٹی بھوننا ہوتی تو گھر میں بیٹھے بیٹھے ہاتھ اٹھا دیتیں، ان کا ہاتھ سورج تک پہنچ جاتا اور سورج کی آگ میں وہ بوٹی بھون لیتی تھیں۔''

اس گپ پر سارے لوگ ہنس پڑے اور اسی گپ پر انعام دیا گیا۔ خدا بچائے ایسے جھوٹ سے اور ایسے اسکول سے جہاں لڑکوں کو جھوٹ بولنے پر انعام دیا جاتا ہے۔

اور سنئے! ایک بار روپ بھرنے اور دھوکا دینے کا مقابلہ ہوا۔ اس میں ایک ایسے لڑکے کو انعام ملا جس کی عمر ۱۶ر سال کی ہے۔ اس نے ایک لڑکی کا روپ بھرا۔ لڑکی بن کر ناچا، گایا، کوئی اسے پہچان نہ سکا۔ اسے اسکول کا سب سے بڑا انعام دیا گیا۔

چچا میاں! میں کہاں تک بیان کروں، یہاں آئے دن بڑی ہی بڑی باتیں دیکھنے میں آتی رہتی ہیں۔ مجھے بڑی الجھن ہوتی ہے۔ ہر موقع پر مجھ پر دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ میں بھی ان ساری بے کار اور خراب باتوں میں حصّہ لوں۔ ابھی تک بچا ہوا ہوں، آگے دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ اس طرح بچنے پر کوئی مجھے ''ملاّ'' کہتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ ''دین ایسا پیارا تھا تو اس اسکول میں پڑھنے ہی کیوں آئے۔'' کوئی کہتا ہے کہ کب تک بچو گے۔ صحبت کا اثر ہوتا ہے۔ ایک نہ ایک دن اس حمّام میں سارے ننگوں کی طرح ننگے ہونا ہی ہے۔'' کوئی سمجھاتا ہے کہ ان باتوں میں حصّہ نہ لو گے تو فیل کر دیئے جاؤ گے۔''

مطلب یہ کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ میں سب کچھ سنتا ہوں اور چپ رہتا ہوں۔ آج خواب دیکھا کہ ایک بڑے دریا کے تیز

دھارے میں پھنسا ہوں۔ اور اس سے نکلنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہوں۔ اچانک دریا کی ایک لہر نے اُچھال دیا تو میں خشکی میں جا کر گرا۔ اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔

یہ خواب دیکھ کر میں بہت گھبرایا۔ دل اب تک کانپ رہا ہے۔ ذرا اطمینان ہوا تو میں آپ کو خط لکھنے بیٹھ گیا۔ آپ میرے خط کا جواب ضرور دیجئے۔ میں بڑی بے چینی سے آپ کے خط کا راستہ دیکھوں گا۔

چچی جان اور سلیم میاں سے سلام کہئے گا۔

والسلام

آپ کا شاگرد

''رشاد''

نیا گنج

آخری خط

ندوہ۔ ۲۰/اگست ۱۹۶۱ء

چچا میاں .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط مجھے نیا گنج ہی میں مل گیا تھا۔ آپ نے میرے خواب کی جو تعبیر لکھ بھیجی تھی وہ بالکل سچ نکلی۔ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک بڑے دریا کے تیز دھارے میں پھنسا ہوں، آپ نے اس کا مطلب وہی مشرکانہ تعلیم بتائی جو میں حاصل کر رہا تھا اور جس سے نکلنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ دریا کی لہر نے مجھے اچھال دیا تو میں خشکی میں جا گرا۔ آپ نے اس کا مطلب یہ بتایا کہ اسکول خود نکال دے گا۔ میں اسکول سے نکال دیا گیا۔ کیوں نکالا گیا اور پھر ندوہ کیسے پہنچا؟ یہ سب حال لکھ رہا ہوں۔ ذرا دیکھئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد کس طرح کرتا ہے؟

چچا میاں! یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ نیا گنج کے اسکول میں جو کچھ پڑھا تھا وہ سب دین کے خلاف تو تھا ہی۔ اس کے ساتھ ہی ناچنے گانے، ڈرامہ اور ناٹک وغیرہ کے پروگرام بھی ہوا کرتے تھے۔ اچھا تو ۱۵/ اگست یعنی آزادی کے دن اس اسکول میں جو ناٹک ہوا تھا۔ اس کی تیاری بہت پہلے سے شروع ہو گئی تھی۔ اس ناٹک میں ایک زنانہ پارٹ ادا کرنے کے لئے مجھ سے کہا گیا۔

چچا میاں! مجھے بڑی شرم آئی، مجھے وہ حدیث یاد آ گئی جو میں نے آپ کے مدرسے میں پڑھی تھی اور جس میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو مرد ہو کر عورت کا اور عورت ہو کر مرد کا روپ بھرتے ہیں۔ یہ حدیث یاد آئی تو میں نے دل میں ٹھان لیا کہ چاہے جو کچھ ہو میں پیارے رسولؐ کی لعنت اپنے سر نہ لوں گا۔ میں نے صاف انکار کر دیا کہ زنانہ پارٹ ادا کرنا تو الگ رہا، میں ناٹک میں کسی طرح کا حصّہ نہ لوں گا۔ میرے انکار پر اسکول کے استاد بہت بگڑے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب سے جا کر کہا کہ "یہ لڑکا ہر موقع پر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتا ہے۔" ہیڈ ماسٹر

صاحب نے بلا کر مجھے سمجھایا، میرے ابّا جان کا حکم یاد دلایا کہ میں استادوں کا کہنا مانوں۔ لیکن میں نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے بھی کہہ دیا کہ میں ڈرامے اور ناٹک وغیرہ میں حصہ نہ لوں گا۔

میں نے کیا بھی وہی جو زبان سے کہا تھا میں نے نہ تو ناٹک کا سامان اٹھانے رکھنے میں مدد دی۔ نہ بانس بلّیاں لانے اور لگانے میں ہاتھ بٹایا۔ نہ پردے لگانے اور رنگنے میں حصّہ لیا اور جب ناٹک کھیلا گیا تو میں دیکھنے بھی نہ گیا۔ بورڈنگ ہاؤس میں اکیلا پڑا رہا اور دل ہی دل میں یہ سوچتا رہا کہ یہ استاد ناراض ہو جائیں۔ لیکن وہ کام نہیں کرنا چاہتے جس سے خدا ناخوش ہو۔

اور سنئے! میں ۱۵/ اگست کو استادوں اور لڑکوں کے ساتھ گاندھی سمادھی پر پھول چڑھانے بھی نہ گیا۔ مجھے آپ کی بتائی ہوئی وہ بات یاد ہے جو آپ نے بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد فرمائی تھی کہ قبروں پر پھول چڑھانا بدعت ہے۔ اور ہر بدعت جہنّم میں لے جانے والی ہے۔

اچھا تو میں گاندھی سمادھی پر نہیں گیا۔ دوسرے تیسرے دن ہیڈ

ماسٹر صاحب نے بلا کر پوچھا کہ گاندھی سمادھی پر پھول چڑھانے کیوں نہیں گئے؟ میں نے جواب دیا ''جناب! قبروں اور سمادھیوں پر پھول چڑھانا اسلام میں ناجائز ہے۔'' میرا جواب سن کر ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا، اچھا لکھ کر دو۔'' میں نے لکھ کر دے دیا۔

جمعہ کو میں نے یہ سب لکھ کر دیا تھا، اس کے ٹھیک آٹھویں دن جمعہ ہی کو میرا نام اسکول سے خارج کر دیا گیا۔ اور اسی دن بورڈنگ خالی کر دینے کا حکم بھی دے دیا گیا۔ یہ حکم سن کر میں ذرا دیر کے لئے گھبرا گیا۔ کچھ نام کٹنے کا اثر، کچھ ابّا جان کا ڈر، پھر اسکول میں جگہ جگہ یہی چرچا۔ لڑکے اور استاد سب مجھے جلی کٹی سنا رہے تھے اور میں سامان نکال رہا تھا۔ کسی نے بھی سامان نکالنے میں میرا ہاتھ نہیں بٹایا۔

خیر میں نے سامان نکال کر سڑک کے کنارے رکھا اور سوچنے لگا۔ اب کیا کروں، کہاں جاؤں؟ گھر جاؤں گا تو ابّا جان اچھی طرح خبر لیں گے۔ گھر کے سوا پھر اور کہاں میرا ٹھکانہ ہے؟ میں سوچتے سوچتے پریشان ہو گیا۔ دل ہی دل میں اللہ سے دعا کرنے لگا کہ

مولا! میری مدد کر! جمعہ کا دن تو تھا ہی تھوڑی دیر میں اذان ہوئی۔ اذان سنتے ہی میں نے ایک رکشا پر سامان لادا اور رکشا والے سے کہا جامع مسجد لے چلو۔''

میں سامان لے کر جامع مسجد پہنچا۔ بستر، بکس، بستہ اور دوسرا سامان ایک طرف رکھا۔ نماز پڑھ کر اپنے سامان کے پاس جا بیٹھا اور پھر سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے بھوک بھی لگ رہی تھی۔ میں نے سوچا کھانا کھا لینا چاہیئے۔ مگر سامان کہاں کہاں لادے لادے پھروں؟ دل میں یہ سوال آتے ہی میں امام صاحب کے پاس گیا اور کہا۔ ''جناب! میرا سامان ذرا دیر کے لئے رکھ لیجئے۔ میں جا کر کھانا کھا لوں۔''

امام صاحب نے نیچے سے اوپر تک مجھے دیکھا، پوچھا، تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو، کہاں جا رہے ہو، کیوں جا رہے ہو؟''

انھوں نے ایک سانس میں کئی باتیں پوچھ ڈالیں۔

میں نے الف سے یے تک حال کہہ سنایا۔ حال بتانے میں میں نے دو تین بار آپ کا نام بھی لیا۔ چچا میاں جب میں آپ کا نام لیتا تو

امام صاحب مجھے غور سے دیکھتے۔ اور آپ کے بارے میں دو چار باتیں پوچھ لیتے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو ضرور جانتے ہوں گے۔

امام صاحب بھی میرا حال سن کر سوچ میں پڑ گئے۔ پھر ایک آدمی کو بلایا۔ میرا سامان اٹھوایا۔ اپنے کمرے میں لے گئے۔ مجھے بھی ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ میں ساتھ چلا گیا۔ انھوں نے اس آدمی کو پھر کچھ اشارہ کیا۔ وہ آدمی چلا گیا۔ مجھے وہیں بٹھا لیا اور باتوں میں لگا لیا۔ کوئی دس منٹ بیتے ہوں گے کہ وہ آدمی کھانا لے کر آ گیا۔ امام صاحب نے بار بار کہہ کر مجھے کھانا کھلایا۔ کھانا کھا کر مجھے کچھ اطمینان ہوا۔

اب میں نے امام صاحب سے کہا:

''جناب! آپ نے مجھ پر بڑی مہربانی فرمائی، میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے مشورہ دیں کہ میں کیا کروں؟ امام صاحب نے کہا'' میں خود ہی اتنی دیر سے یہی سوچ رہا ہوں۔ میری رائے ہے کہ تم لکھنؤ چلے جاؤ۔ اور ندوہ میں جا کر پڑھو۔ لیکن ایک مشکل ہے مدرسہ کھلے کئی مہینے ہو گئے۔ میں سوچتا ہوں تمہارا داخلہ وہاں ہو

سکے گا کہ نہیں؟

خیر میں مہتمم صاحب کو ایک خط لکھے دیتا ہوں۔ کوشش کرنا ہمارا کام ہے اور کام پورا کرنا اللہ کے بس میں ہے۔ اللہ کا نام لے کر جاؤ میرا دل کہتا ہے کہ اللہ تم پر اپنا فضل فرمائے گا۔''

یہ کہہ کر امام صاحب نے ایک خط لکھ کر مجھے دیا اور کہا۔ ''خدا حافظ۔'' میں سلام کر کے وہاں سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہو گیا۔ مغرب سے پہلے اسٹیشن پر پہنچا۔ وہاں سے سیدھا ندوہ گیا۔ مغرب کی نماز میں نے وہیں پڑھی۔ پھر لوگوں سے مہتمم صاحب کو پوچھا۔ خدا کا شکر ہے کہ مہتمم صاحب اس دن کسی کام سے ندوہ آئے ہوئے تھے۔ میں جا کر ان سے ملا۔ امام صاحب کا خط انھیں دیا۔ اپنا حال کہا۔

مہتمم صاحب دیر تک کچھ سوچتے رہے پھر میرے داخلے کا حکم دیا اور دس روپئے وظیفہ بھی مقرر فرما دیا۔ اور میرے کھانے پینے کا انتظام اپنے گھر پر کر دیا۔ اس طرح اللہ نے میری مشکل آسان کر دی۔ اور اس طرح وہ ہو گیا، جو میں چاہتا تھا۔

میں یہاں بہت ہی خوش ہوں۔ آپ میرے لئے دعا کرتے رہئے، میرا حال ابّا جان سے کہئے۔ میں انھیں اس وقت خط لکھوں گا جب آپ کا خط آئے گا۔ خط میں آپ یہ ضرور لکھئے گا کہ میرا حال جان کر ابّا جان پر کیا اثر ہوا۔

چچی جان اور سلیم میاں کو میرا اسلام کہئے گا۔

والسلام

آپ کا شاگرد

''رشاد''